© rasailojaraid.com

جناب پروفیسر غلام احمد حریری ایم اے

عربی زبان اور اس کی خصوصیات

ایک کلمہ گو کے نزدیک عربی زبان کی سب سے بڑی وجہِ فضیلت یہ ہے کہ وہ اس کتابِ ہدایت کی زبان ہے جو خدائے لم یزل کا آخری پیام اور اس کائناتِ ارضی پر واحد آسمانی کتاب ہے جس میں مرورِ زماں اور گردشِ ایام کے باوجود ایک زیر و زبر اور شوشہ مد تک کا اضافہ یا ترمیم نہیں ہوئی اور جس کا ایک ایک لفظ حق و صداقت کا حامل اور فلاح و بہبود کا کفیل ہے۔ یہ وہی زبانِ حق ترجمان جس میں وہ ہستی فریضۂ تبلیغ ادا کرتی رہی جن سے بہتر انسان مادرِ گیتی نے پیدا نہیں کیا، اور جن کی شان میں وارد ہے:۔

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○

کہ ہمارا پیغمبر اپنی خواہش سے کبھی نہیں بولتا بلکہ آپ کی زبان ہمیشہ وحی کی ترجمانی کرتی ہے۔

پھر اس پر مزید یہ کہ عربی آنحضور کے ان رفقاءِ کرام کی زبان تھی جن سے بہتر دوست اور ساتھی کسی نبی کے حصے میں نہیں آئے اور جن کو "خیر القرون قرنی" کے معزز لقب سے نوازا گیا۔ اور اگر حدیثِ نبوی کا پورا مفہوم اس کے ساتھ شامل کر لیا جائے تو مزید کہا جا سکتا ہے کہ اہلِ جنت کی زبان بھی عربی ہوگی۔ عربی کا یہ اعزاز کچھ کم نہیں کہ اسے اہلِ جنت کے لیے منتخب کیا گیا۔[1]

[1] مشکوٰۃ شریف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر حضرات! یہ خالص مذہبی اندازِ فکر اس شخص کے لیے باعثِ اطمینان نہیں ہو سکتا جو عربی کو ایک زبان کی حیثیت سے دیکھنا چاہتا ہے اور خالص لسانی نقطۂ نظر سے اس کے محاسن و معائب کو بروئے کار لانے کا متمنی ہے لہٰذا اس تین مختلف زاویہ ہائے نظر سے عربی کی فضیلت بیان کروں گا۔

- عربی کی خالص لسانی خصوصیات جو ایک زبان کی حیثیت سے اسے حاصل ہیں۔
- عربی کی بین الاقوامی حیثیت۔
- عربی کی مذہبی اہمیت و ضرورت۔

عربی کی لسانی خصوصیات بیان کرنے سے پہلے یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ماہرین السنہ نے دنیا کی تمام زبانوں کو تین اقسام میں منقسم کیا ہے۔

(۱) لغاتِ آریہ مثلاً سنسکرت، فارسی، افغانی، لاطینی، فرانسیسی، جرمنی اور انگریزی
(۲) لغاتِ تورانیہ مثلاً چینی، تاتاری، ترکی وغیرہ
(۳) لغاتِ سامیہ مثلاً آرامی، عبرانی، سریانی، اور عربی وغیرہ۔

چونکہ عربی لغاتِ سامیہ سے وابستہ ہے۔ اس لیے اول الذکر ہر دو اقسام ہمارے موضوعِ بحث سے خارج اور ہماری نظر کی جولان گاہ فی الوقت السنہ سامیہ ہیں۔ جن سے ان قوموں کی زبانیں مراد ہیں جو آرمینیہ سے لے کر بحرِ عرب تک اور خلیج فارس سے بحرِ احمر تک آباد تھیں۔ یہ سب زبانیں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی طرف منسوب ہیں۔ مختلف قطعاتِ ارض میں آباد ہونے کی وجہ سے ان اقوام کے لب و لہجہ میں تبدیلی واقع ہو گئی اور قبیلہ و مقام کی خصوصیت کے پیشِ نظر سامی زبان مختلف النوع ہو گئی۔ باشندگانِ عرب کی زبان عربی اور سوریا یعنی اہلِ شام کی زبان سریانی کہلائی۔ اسی طرح بنی عامر کی زبان عبرانی سے موسوم ہوئی، چنانچہ جغرافیائی زاویہ نگاہ سے السنہ سامیہ چند قسموں میں بٹ گئی۔ بابلی، آشوری، کنعانی، آرامی، عربی، عدنانی، سبائی، حمیری اور حبشی سب انہیں کی شاخیں ہیں جو بلحاظ اوطان و قبائل ان سے متفرع ہوئیں چونکہ السنہ سامیہ میں عربی، آرامی اور عبرانی خاص اہمیت کی حامل ہیں اس لیے عموماً یہی تین شاخیں شمار کی جاتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عربی کی مدّت العمر

ماہرین علم الالسنہ کے نزدیک یہ مسئلہ متنازعہ فیہ ہے کہ سامی زبانوں میں سے کون سی زبان اصلی ہے اور اس کی شاخیں کیا ہیں؟ بعض عربی کو اصل قرار دیتے ہیں اور بعض اس سے اختلافِ رائے کرتے ہیں۔ تاہم یہ بات قدرِ مشترک کے طور پر مسلم ہے کہ عربی ان کی اصل سے قریب تر ہے۔ ماہرین السنہ نے زبان بابلی قدیم کو سامی زبانوں کی ماں قرار دیا ہے۔ لیکن غور سے معلوم ہوتا ہے کہ بابلی عربی ہی کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ سامی عربوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے دو اڑھائی ہزار برس قبل بابلی سے بادشاہِ وقت کو نکال کر ایک بڑی سلطنت کی داغ بیل ڈالی جس کا بادشاہ حمورابی تھا۔ یہ لوگ عرب تھے۔ ان کی زبان بھی یقیناً عربی تھی۔ اس لیے محققین فرنگ کا دولت حمورابی کے کتبات کی زبان کو اول بابلی کہنا اور پھر عربی کو اس سے قریب تر قرار دینا ایک فاش علمی غلطی ہے جس کا ارتکاب ان کے علمی تعصب کا غماز ہے۔ جب کوئی قوم کسی حریف قوم کے کسی ثقافتی پہلو کو اپنی متعصبانہ تنقید کا ہدف بناتی ہے تو نہ صرف مسئلہ زیرِ بحث کو بے دریغ غلط رنگ میں پیش کرتے ہوئے جھجک محسوس نہیں کرتی بلکہ اس قوم کے علمی، مذہبی اور ادبی کارنامے بھی اس کی تنگ دلانہ ذہنیت سے محفوظ نہیں رہتے۔

حال ہی میں دولتِ حمورابی سے متعلق انکشافاتِ اثریہ کی بدولت زبان بابلی قدیم کا جو ذخیرہ مہیا ہوا ہے وہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ عربی اور بابلی قدیم میں گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔ الفاظ اور قواعد کے لحاظ سے بھی ہر دو میں مماثلت موجود ہے۔ حرکاتِ اعرابی دونوں زبانوں میں ایک ہیں، حالانکہ دوسری زبانوں میں ان کا فقدان ہے۔

اعراب کے علاوہ بابلی زبان میں تنوین بھی پائی جاتی ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ بابلی زبان میں تنوین "میم" ہے اور عربی میں "نون" اور یہ فرق کچھ نہیں کیوں کہ یہ دونوں حروف قریب المخرج ہیں اور باہم بدلتے رہتے ہیں —— اس سے ظاہر ہے کہ بابلی قدیم جسے السنہ سامیہ کی ماں قرار دیا گیا ہے۔ وہ عربی کے سوا کچھ اور نہیں۔ سامی عربی نے بابل میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت کی اور رفتارِ زمانہ سے جب اس میں تغیر رونما ہوا تو وہ بابلی سے موسوم ہونے لگی جہاں تک دیگر سامی زبانوں کا تعلق ہے درحقیقت وہ بھی عربی ہی کی شاخیں ہیں جو عربی سے پیدا ہو کے اس طرح مختلف ہو گئیں جس طرح سنسکرت سے پراکرت اور برج بھاشا۔

عربی کی قدامت میں عربی کے حامیوں نے بڑی طوالت سے کام لیا ہے اور بڑے زبردست دلائل کی روشنی میں یہ حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ محققین فرنگ کا یہ دعوے کہ نظم و نثر کا آغاز سنہ ۵۰۰ء سے ہوا بالکل بے بنیاد اور ان کے تعصب و عناد کا آئینہ دار ہے متعصبانہ تنقید سے قطع نظر مستشرقین کے اس غلطی میں مبتلا ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اہل عرب پر جہالت غالب تھی، وہ فن کتابت سے ناآشنا تھے۔ اس لیے چھٹی صدی عیسوی سے پہلے کا علمی سرمایہ محفوظ نہ رکھا نہ جا سکا۔ عربی کی نظم و نثر جو ہمیں ملی ہے وہ سنہ ۵۰۰ء کے بعد کی ہے اور اس سے پہلے کا مواد ہم تک نہیں پہنچا۔ اس لیے عربی کی ابتدا سنہ ۵۰۰ء سے قائم کرنی پڑی اور دورِ جاہلیت کے مشہور شاعر مہلہل کو آدم الشعراء تسلیم کیا گیا۔ حالانکہ اس کے کلام کی لطافت و عمدگی کو دیکھ کر یہ کبھی باور نہیں کیا جا سکتا کہ یہ زبان اسی صدی کی پیداوار ہے۔ اس لیے مستشرقین یورپ کو اس علمی غلطی میں معذور سمجھا جائے تو بےجا ہو گا۔

اطالیہ کے نامور محقق جوُیدی نے بدلائل ثابت کیا ہے کہ نوح علیہ السلام کے مرکزی مقام عراق کی زبان عربی تھی۔ ابراہیم علیہ السلام کا مولد و منشا بھی عراق ہی تھا اور آپ ہجرت کر کے سرزمین فلسطین میں آباد ہو گئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں — نشو و نما پائی۔ ان تمام مقامات میں عربی بولی جاتی تھی۔ انبیاءِ بنی اسرائیل کی زبان عبرانی تھی اور عبرانی کے متعلق یہ مسلم ہے کہ عربی زبان سے اس کا قریبی تعلق ہے [1]

عظیم محقق جویدی کی شہادت عربی زبان کی قدامت کے بارے میں ایک زبردست علمی دلیل ہے۔ محقق مذکور جامعہ مصریہ میں عربی کا پروفیسر تھا اور عربی کے علاوہ اطالوی، اور فرانسیسی کا بھی ماہر تھا۔ سنہ ۱۸۷۶ء سے یہ اٹلی کی یونیورسٹی میں یہ تدریس کا کام سرانجام

---

[1] محاضرات جویدی ص۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتا رہا۔ اس نے الاغانی کی مفصل فہرست مرتب کی۔ الزبیدی کی کتاب الاستدراک پر حواشی لکھے۔ قصیدہ بانت سعاد کی جو شرح ہشام نے لکھی ہے۔ اس پر اس نے بڑے قیمتی حاشی لکھے ہیں۔ ان کا سب سے دل چسپ کام مشہور کتاب "کلیلہ و دمنہ" کے مفقود اجزاء کی فراہمی ہے۔ البغدادی کی "خزانۃ الادب" کی فہرست مرتب کی اور اٹلی ہی سے یہ کتابیں شائع کیں اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جویدی کس پایہ کا محقق تھا اور اس کی شہادت کیا وزن رکھتی ہے؟ ——

عربی کی قدامت سے متعلق طویل ولائل و براہین سے صرف نظر کرتے ہوئے اب میں اس کے خصوصیات و ممیزات کا تذکرہ کروں گا جو عربی کو بحیثیت ایک زبان کے حاصل ہیں۔ اور جن کا مقابلہ دنیا کی کوئی دوسری زبان نہیں کر سکتی۔ یہ خصوصیات اس قدر زیادہ ہیں اور اپنے دامن میں اتنی وسعت رکھتی ہے کہ ان کا مختصر تذکرہ بھی کارے دارد والی بات ہے۔ میں چند ایک خصوصیات کے ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا۔

صرفی و نحوی خصوصیات

عربی کا ہر لفظ مادہ رکھتا ہے۔ جو عموماً سہ حرفی ہوتا ہے اور اس سے بہت سے مشتقات نکلتے ہیں مثلاً ق۔ ب۔ ل ایک سہ حرفی مادہ ہے اس سے بادنیٰ تغیر بہت سے الفاظ نکلتے ہیں۔ قَبْلُ یعنی آگے۔ قَبلہ بالفتح مہرۂ شطرنج کی ایک قسم۔ قِبلہ جو چہرہ کے سامنے رکھا جائے۔ قُبل بالضم آہنگ۔ قُبلُ نعتیں ضد دبر۔ قبلہ۔ قِبَل وغیرہ۔ حروف زائد کی زیادتی سے جو الفاظ پیدا ہو گئے ہیں وہ ملاحظہ فرمائیے۔ قبیل۔ قبیلہ۔ قبول۔ قبال۔ قابل۔ قابلہ۔ مقبول۔ اقبال۔ استقبال۔ تقابل۔ تقبیل۔ اقتبال۔ تقبّل۔ پھر الگ الگ ان کے مشتقات جو لاتعداد ہیں۔

عربی میں تانیث کی تمیز، اسم ضمیر اور فعل سب میں ہوتی ہے۔ اس میں تثنیہ کا بھی صیغہ ہوتا ہے، جو اکثر زبانوں میں نہیں ہوتا۔ اعراب عربی زبان کی عظیم خصوصیت ہے، اگرچہ بابلی زبان میں بھی اعراب پائے جاتے ہیں مگر وہ زبان مردہ ہو چکی ہے۔ اعراب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بدلنے سے معانی بدل جاتے ہیں۔ زیدٌ کی "د" پر پیش (ُ) ہو تو فاعل۔ زبر (َ) ہو تو مفعول اور اگر زیر (ِ) ہو تو مضاف الیہ یا مجرور۔

دقتِ تعبیر

دقتِ تعبیر عربی زبان کی نمایاں خصوصیت ہے۔ جن مفہومات کا اظہار دوسری زبانوں میں مرکب الفاظ، فقرات اور جملوں سے کیا جاتا ہے۔ ان کے اظہار کے لیے عربی میں مفرد الفاظ موجود ہیں۔ مفہوم خواہ کس قدر جزوی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے لیے عربی میں ایک خاص لفظ موجود ہے۔ مثال کے طور پر انسان کے ہاتھ کو لیجئے۔ اس کو مجموعی طور پر "ید" یا "کف" کہتے ہیں پھر ہاتھ کے مختلف حصوں کے لیے مختلف نام تجویز کیے گئے ہیں انگلی کو اِصْبَع، پھر پانچوں انگلیوں کے جداگانہ نام۔ اِبہام (انگوٹھا) سبّابہ (انگشتِ شہادت) وسطیٰ (تیسری انگلی) بِنصر (چوتھی انگلی) خِنْصَر (پانچویں انگلی۔ انگلیوں کے کناروں کو "بنان" فاصلہ مابین ابہام و سبابہ وسطیٰ کو "شُبر" ... فاصلہ درمیانِ وسطیٰ اور بِنصر کو عَتَب۔ فاصلہ درمیان بنصر و خنصر کو وضیم۔ ناخن کو ظُفر۔ ناخن کا سخت حصہ جو تراشا جاتا ہے۔ زُبُرہ۔ انگلیوں کے سرے کو "انمل" کہتے ہیں۔ انگلیوں کے جوڑوں کے درمیان جو ہڈی ہوتی ہے اسے "سُلامہ" انگلیوں کے جوڑوں کو "سنع" ہتھیلی کی اندرونی جانب کو "دخاین"۔ ہتھیلی کے خطوط کو اسرہ۔ ہتھیلی کے گوشت کو "نجص" انگوٹھے کی جڑ کے گوشت کو "الالیۃ" [1]

غرضیکہ اسی طرح بدن انسانی کے ہر چھوٹے بڑے حصہ کے لیے عربی میں علیحدہ نام موجود ہیں ——— آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ دن کے ہر گھنٹہ کے لیے عربی میں خاص نام ہیں۔ فقہ اللغۃ للثعالبی کے حوالہ سے یہ درج کیے جاتے ہیں۔

(۱) بکور (۲) شروق (۳) اشراق (۴) راد (۵) ضحٰی (۶) متوح (۷) ہاجرہ

---

[1] ادب العرب از ڈاکٹر زبید احمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۸) اصیل (۹) عصر (۱۰) طفل (۱۱) حدور (۱۲) غروب۔
اسی طرح عربی میں ہر چاندنی رات کا ایک خاص نام ہے۔ یہ مثالیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ ثعالبی کی فقہ اللغہ اور ابن سیدہ کی المخصص ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہیں

عربی کا اعجاز و ایجاز

اس کی بہترین مثال قرآن مجید کا اسلوب بیان ہے جس کی نظیر چیلنج کے باوجود ۱۴ صدیوں سے پیش نہیں کی جا سکی۔ وجوہ اعجاز کے تفصیلی مطالعہ کے لیے "اعجاز القرآن الباقلانی اور اعجاز القرآن للرافعی" اور اس موضوع پر لکھی ہوئی دوسری کتابوں کی طرف رجوع فرمائیں۔

کثرتِ مترادفات و لغاتِ اضداد

یوں تو کوئی زبان مترادف الفاظ سے یکسر خالی نہیں مگر عربی کو اس ضمن میں سب زبانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ علامہ دمیری حیات الحیوان میں لکھتے ہیں۔

"شیر کے لیے عربی میں ۵۰۰ الفاظ ہیں۔ ابن خالویہ نحوی نے اس پر ایک سو تیس (۱۳۰) کا اضافہ کیا ہے۔ عربی میں اونٹ کے لیے دو سو پچیس (۲۲۵) سانپ کے لیے ایک سو (۱۰۰) شراب کے لیے ایک سو (۱۰۰) پانی کے لیے ایک سو ستر (۱۷۰) کنویں کے لیے اٹھاسی (۸۸) بارش کے لیے چونسٹھ (۶۴) ابر کے لیے پچاس (۵۰)، تاریکی کے لیے (۵۲) نور کے لیے (۲۱) آفتاب کے لیے (۲۹) دودھ کے لیے (۱۳) شہد کے لیے (۱۳) اور اسی طرح مترادف الفاظ کی کثرت ہے۔ صفات کے لیے بے شمار الفاظ موجود ہیں جن میں سے "طویل" کے لیے اکانوے (۹۱) اور کثیر کے لیے (۶۰) ہیں"

لغات اضداد بھی عربی زبان کا ایک مستقل باب ہے۔ لغاتِ اضداد سے مراد یہ ہے کہ بعض الفاظ کے معانی ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں مثلاً نَہِل کے معنی پیاسا ہونا اور سیراب ہونا ہے۔ ذَابَ کا معنی پگھلنا اور منجمد ہونا۔ بَیع کے معنی فروخت کرنا اور خریدنا۔ وَرَاء کے معنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگے اور پیچھے۔ بَین کے معنی ملاقات وفراق۔ ایسے الفاظ کی عربی میں اس قدر کثرت ہے کہ علماءِ لغات نے اضداد کو مستقل طور پر اپنی کتب کا موضوع بنایا ہے۔ لغاتِ اضداد پر حال ہی میں علامہ ابن انباری کی کتاب الاضداد نہایت آب وتاب سے کویت سے چھپ کر آئی ہے۔

مشترک الفاظ

عربی میں بعض الفاظ کثیر المعانی ہوتے ہیں۔ دو سو سے زائد الفاظ ہیں جن کے تین تین معنی ہیں۔ سو سے زائد الفاظ ایسے ہیں جن کے چار چار معنی ہیں۔ بعض لفظوں کے پچیس پچیس معنی ہیں۔ خالؔ کے ستائیس معنی ہیں۔ عینؔ کے ۳۵۔ عجوزؔ کے ۶۰ معانی ہیں۔

عربی میں مقفّٰی عبارت لکھنا آسان ہے۔

مترادف الفاظ کی کثرت کی وجہ سے عربی میں مقفّٰی اور مسجّع عبارت لکھنا اور زبانوں کے بالمقابل بہت آسان ہے۔ عربی میں صنائع و بدائع کا استعمال جس قدر بآسانی ممکن ہے کسی اور زبان میں نہیں۔ مقاماتِ بدیعی۔ مقامات حریری اور مقاماتِ زمخشری کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صلاحیت عربی زبان میں کس قدر زیادہ ہے۔ مترادف الفاظ کی کثرت کی بنا پر عربی میں ہر مفہوم کا اظہار بے نقاط الفاظ میں ممکن ہے۔ علامہ فیضی نے جو اکبر کے مشہور درباری عالم تھے، پورے قرآن مجید کی تفسیر بے نقاط عربی الفاظ میں کی ہے۔ یہ تفسیر تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں کوئی نقطہ دار لفظ نہیں۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے "مدارک الکلم" نامی کتاب اسی التزام کے ساتھ لکھی کہ کوئی نقطہ دار لفظ نہیں آنے دیا۔

الفاظ و معانی کی باہمی مناسبت

عربی کے الفاظ کسی حد تک اپنے مفہوم کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ امام النحاۃ سیبویہ کا قول ہے

"جو مصادر "فعلان" کے وزن پر آتے ہیں ان میں اضطراب اور حرکت کا مفہوم ہوتا ہے جیسے غلیان۔ غثیان۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن جنّی نحوی کا قول ہے کہ :-

"اکثر مضاعف رباعی کے مصادر کے معنوں تکرار اور حرکت کا مفہوم ہوتا ہے، جیسے قلقلہ، قرقرہ، صلصلہ وغیرہ"۔ وزن فَعلی سرعت کے لیے آتا ہے جیسے زَلقی"۔

خرمائے تازہ کے کھانے کو خَضَم اور خرمائے خشک کے کھانے کو قضم کہتے ہیں۔ حرف خا نرم ہے لہٰذا تازہ کھجور کے لیے استعمال ہوا اور قاف ذرا سخت ہے اس لیے خشک پر بولا گیا قبض بالضاد کے معنی پورے ہاتھ سے پکڑنے کے ہیں اور قبص بالصاد کے معنی انگلیوں سے پکڑنے کے ہیں۔

علامہ ثعالبی فقہ اللغۃ میں لکھتے ہیں کہ :-

"دیوار کے نقش اور کاغذ کے نقش کو رقش اور ہاتھ کے نشان کو وشم کہتے ہیں عربی میں لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔ بیان کے معنی صرف واضح کرنا اور تبیین کے معنی زیادہ وضاحت کرنا"

علامہ زمخشری صاحب کشاف کہتے ہیں کہ :-

"میں ایک دریا کے کنارے پر گیا۔ ایک اعرابی کے پاس دو کشتیاں دیکھیں میں نے ان کا نام پوچھا۔ اس نے چھوٹی کا نام شقرف اور بڑی کا نام شقراف بتایا"

الغرض عربی کی ممتاز خصوصیت ہے کہ محض لفظ سے کسی حد تک مدلول کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس خصوصیت پر کرامت حسین مرحوم نے اپنی کتاب "فقہ اللسان" میں بہت زور دیا ہے۔ انہوں نے بیس ہزار الفاظ کی تحقیق اس اصول پر کی ہے۔ اس خصوصیت کا دوسرا نام حکایت صوت بھی ہے۔

خطابت کے لیے موزوں ہونا

زورِ خطابت دکھانے کے لیے عربی سے موزوں تر اور کوئی زبان نہیں ہے۔ الفاظ کے تناسب و تطابق اور کثرت مترادفات و تجانسات کی بنا پر عربی فن تقریر کے لیے نہایت مناسب ہے ۱۹۵۷ء کی مجلس مذاکرہ اسلامیہ منعقدہ لاہور میں جن لوگوں کو شرفِ حاضری نصیب ہوا وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حقیقت کے زندہ گواہ ہیں کہ عربی زبان ہی زورِ بیان اور قوت خطابت کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔ عرب مقررین کا ایک ایک فقرہ سینوں میں اترتا جاتا تھا۔ قطع نظر اس کے کہ سامعین سمجھ رہے ہوں یا فقط ان کی قوتِ سامعہ عربوں کی دل نشین فقرات سے محظوظ ہو رہی ہو۔

حضرات! عربی کی لسانی خصوصیات کا احاطہ ممکن نہیں۔ میں نے مشتے از خروارے کے طور پر چند ایک خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

عربی کی بین الاقوامی حیثیت

عربی زبان اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ آج بھی مسلمانوں سے زیادہ غیر مسلم اس کے اعجاز کے قائل ہیں۔ اسی کی برکت ہے کہ عالم اسلام ایک وحدت میں منسلک نظر آتا ہے چنانچہ عرب و عراق، مصر و شام، ترکی و انڈونیشیا، افغانستان و ایران اور پاکستان کے مسلمانوں کو ایک ثقافتی رشتے میں پرو دیا ہے۔ عربی زبان کی اہمیت اس امر سے معلوم کی جا سکتی ہے کہ یہ اقصائے عالم کے دور افتادہ گوشوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اعداد و شمار سے معلوم ہوا ہے کہ یہ ساٹھ ملین انسانوں کی مادری زبان ہے۔ جو زبانیں کبھی الہامی سمجھی جاتی تھیں ان میں سے بیشتر صفحۂ ارضی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئی ہیں۔ چنانچہ کرۂ ارضی پر ان کا وجود نظر نہیں آتا۔ آریہ کی الہامی زبان سنسکرت کا کیا حال ہے؟ یہودیوں کی مقدس زبان عبرانی کا کیا حشر ہوا! مسیحیت یا رومۃ الکبریٰ کی لاطینی زبان کہاں دفن ہوئی؟ مجوسیت یا فارسی کی زندہ زبانیں کیا ہوئیں؟ فراعنۂ مصر کی قبطی زبان اور بابلی نینوی اور شام کی آشوری اور سریانی زبانیں کہاں ہیں۔ ہومر کی یونانی زبان اب کون بولتا ہے۔ یہ تمام زبانیں عظیم الشان مذاہب یا اقتدار اقوام اور وسیع الحدود حکومتوں کی زبانیں تھیں۔ لیکن آج دنیا کے کان ان سے نامانوس ہیں لیکن یہ شرف عربی زبان ہی کو حاصل ہے کہ آج بھی اس کے آفتاب کی لازوال اور تابندہ شعاعیں اکناف عالم کے دور دراز گوشوں پر محیط ہیں۔ عربی آج تک زندہ ہے اور جب تک دنیا ہے زندہ رہے گی۔ زبانوں کے اختلاط اقوام کی مزاحمت اور ضروریات تمدن کی کشمکش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان تمام چیزوں کا اس نے پہلے بھی مقابلہ کیا ہے اور اب بھی مقابلہ کرے گی۔ عربی زبان کے قدیم الفاظ و محاورات باقی ہیں اور پھر جدید انقلاب سے متاثر ہو رہی ہے۔ اس میں جدید آلات جدید ضروریات تمدن، جدید علمی سیاسی تجارتی اصطلاحات اور جدید اختراعات و ایجادات جدید رسوم و رواج جدید خیالات کے لیے موجودہ زبان میں نئے الفاظ پیدا ہو رہے ہیں اور ہو گئے ہیں۔

عربی کی بین الاقوامی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) عربی اکناف عالم میں پھیلے ہوئے عربوں کی مادری زبان ہے

(۲) وہ جملہ بلادِ اسلامیہ میں قرآن و نماز کی زبان ہے۔

(۳) ممالکِ اسلامیہ میں قومی ادب کا سمجھنا عربی دانی پر موقوف ہے۔

(۴) مشرقی علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنے کے لیے عربی کا جاننا ناگزیر ہے۔

(۵) بین الاقوامی سیاسی و تجارتی روابط کے لیے عربی دانی کی اشد ضرورت ہے۔

(۶) عربی مختلف اسلامی ممالک میں زبردست رابطہ اتحاد ہے۔

اتحاد ممالکِ اسلامیہ کی تحریک علامہ جمال الدین افغانی مرحوم نے شروع کی تھی۔ علامہ اقبال نے اپنی روح پرور شاعری کے ذریعے اسے زندگی بخشی۔ سر آغا خاں مرحوم نے موتمر عالمی اسلامی منعقدہ کراچی میں تقریر کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ عربی ممالک اسلامیہ کے اتحاد کا قوی ترین ذریعہ ہے جبکہ اردو اس کے علی الرغم اہل اسلام میں انفصال و انفکاک تو پیدا کر سکتی ہے مگر اتحاد نہیں۔

عربی کی انہی بین الاقوامی خصوصیات کی بنا پر سر آغا خان نے یہ رائے دی تھی کہ پاکستان کی قومی زبان اردو کی بجائے عربی ہونی چاہیے۔ عربی مختلف اسلامی ممالک کے درمیان ان کے علیحدہ اور متنوع کلچر اور مخصوص قومی رسم و رواج کے علی الرغم ایک قوی ترین رابطہ اور موثق ذریعہ اتحاد ہے جو ان کو ایک لڑی میں پرو سکتا ہے۔

عربی کی مذہبی حیثیت

یہ حقیقت ہے کہ دین کے اصلی سرچشمے کتاب و سنت و فقہ اسلامی عربی زبان میں ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخِ اسلام کے اصل ذخائر بھی پہلے پہل عربی زبان میں مدون ہوئے۔ اس امر کی آئینہ دار ہے کہ عربی زبان مذہبی زاویہ نگاہ سے کیا قدر و قیمت رکھتی ہے۔ تشنگانِ علوم دینیہ جب تک براہِ راست عربی ماٰخذ کے چشمۂ فیض سے سیراب نہ ہوں، تحصیلِ علم ممکن نہیں۔ عباسی دور میں اسلام اکناف ارضی میں پھیلا۔ عجمیوں کے اختلاط سے خالص عربی تہذیب باقی نہ رہی۔ عجمی عناصر کے غلبہ سے تہذیب و تمدن، علم و ادب اور رسوم و رواج کے دھارے بدل گئے مگر اس دور میں بھی اسلام نے اس امر کی اجازت نہ دی کہ مذہبی عبادات کی زبان عربی کے ماسوا کوئی اور ہو اور وحدتِ دین کے قیام کا یہ موثق ذریعہ اس طرح دینی مداہنت کا سبب قرار پائے۔ قرآنِ حکیم اسی لیے عربی کے لیے باعث بقاء و دوام ہوا کہ مختلف بلاد و امصار میں اس کا عربی متن میں تلاوت کیا جانا دینی اعتبار سے ضروری تھا۔

یہی وجہ ہے کہ علماءِ اسلام نے عربی زبان سے متعلق علوم و فنون نہ صرف مدون کیے بلکہ انہیں معراجِ ترقی پر پہنچایا۔ صرف و نحو، معانی و بلاغت، عروض و قوافی، ادب و شعر یہ سب عربی زبان کے وفا شعار خادم ہیں اور عربی زبان کتاب و سنت کے سمجھنے کا موثق ذریعہ اگر کتاب و سنت کو عربی میں سمجھنے کی ضرورت نہ ہوتی تو ادب و لغت کا یہ نادر ذخیرہ دیکھنے میں نہ آتا اور علماءِ دین اس کام کو اتنے ذوق و شوق سے سرانجام نہ دیتے۔ مقامِ حیرت ہے اور باعثِ افسوس بھی کہ دورِ حاضر میں تحصیلِ علمِ دین کے لیے وہ کدّ و کاوش اور جہد و سعی شاید غیر ضروری سی ہو گئی ہے۔ کیونکہ بعض لوگ کتاب و سنت سے کورے اور عربی سے نابلد محض ہونے کے باوجود سبھی کچھ ہیں۔ مفسر قرآن بھی ہیں اور ناقدِ احادیث بھی۔ فقیہہ بھی ہیں اور مبلغ بھی۔ وہ یہی مفسرین تھے جن کو دیکھ کر مجلس مذاکرہ عالمیہ اسلامیہ لاہور میں مصر کے ایک عالم یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ آپ کے خیال میں قانون دانی انگریزی خوانی کے بغیر ممکن نہیں مگر ہر ابجد خوان اور عربی زبان سے نابلد شخص مفسر قرآن بن سکتا ہے اور عالم دین بھی۔

عربی اور دین

یہ امر محتاج بیان نہیں کہ عربی زبان اور دین میں کتنا گہرا تعلق ہے۔ عربی زبان سیکھنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن دین سے دور رہنا قرین عقل و دانش نہیں۔ آخر کھیت کو جوتتے رہنے اور بیج نہ ڈالنے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟ عربی کی تحصیل تعلیمِ دین کا ایک ذریعہ ہے۔ مقصود بالذات نہیں۔ اپنی مساعیِ جمیلہ کو فقط تحصیلِ ذریعہ تک محدود رکھنا اور مقصودِ اصلی سے اجتناب کرنا بھلا کیسے موزوں ہو سکتا ہے۔ عربی کے طلباء سے میری ہمدردانہ درخواست ہے کہ وہ اس مسئلہ پر غور و فکر کی زحمت گوارا کریں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسی متواتر حدیث میں فرمایا جس کے راوی سینکڑوں سے متجاوز ہیں کہ:

انما الاعمال بالنیات — اعمال کا انحصار نیت پر ہے۔

اور مختلف اشخاص ایک ہی کام سرانجام دیتے ہیں مگر نتائج میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اختلاف نتائج کی وجہ حسنِ نیت یا قبحِ نیت ہے۔ عربی کی تحصیل سے اگر آپ کا مقصد کتاب و سنت تک رسائی ہے تو بڑا مبارک ہے آپ کا شوق اور بڑی پاکیزہ ہے آپ کی نیت۔ اگر اس کے ساتھ ساتھ امتحان میں عربی کو ختم کر لیا جائے تو دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ نیت آپ کی حصولِ علمِ دین کی ہوگی اور امتحان کی حیثیت ضمنی اور ثانوی ہوگی اور اگر معاملہ برعکس ہے تو بڑے خسارہ میں رہے آپ اور کس قدر ادنیٰ ہے آپ کا نظریہ۔ تحصیل عربی برائے عربی اگر سبب فلاح و نجات ہو سکتی تو وہ تمام عیسائی مستشرقین جنت الفردوس کے وارث ٹھہریں گے جو شریعتِ اسلامیہ پر عامل تو نہیں رہے البتہ انہوں نے بڑی جانفشانی سے عربی سیکھی۔ عربی مخطوطات جن کے ناموں سے مسلمان آشنا نہ تھے، یورپین لائبریریوں سے ڈھونڈ نکالے۔ بڑی محنت سے انہیں ایڈٹ کیا بڑی محنت سے تصحیح کے فرائض سرانجام دیئے اور بڑی دیدہ ریزی سے ان پر فاضلانہ حواشی۔ اگر عربی پڑھنے سے آدمی پکا مسلمان بھی ہو جاتا ہے تو پروفیسر نکلسن آربری، پروفیسر براؤن مؤرخ ہٹی اور پروفیسر گبؔ بڑے مخلص مسلمان ہوں گے اور اگر ایسا نہیں تو عربی کے طلباء ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ وہ کس راہ پر گامزن ہیں۔ ایک مشہور عالمِ دین نے ایک مرتبہ امام غزالی پر ریسرچ کرنے والے پی۔ ایچ ڈی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے امیدوار ایک محقق کا واقعہ سنایا تھا۔ وہ محقق امام موصوف کی احیاء العلوم پر فاضلانہ بحث کر رہے تھے اور جب نماز کا وقت آیا تو یہ کہہ کر معذرت خواہ ہو گئے کہ ابھی میں نے نماز شروع نہیں کی۔ ایسی تحقیق سے بے تحقیق رہنا ہی اچھا ہے

اوکے ٹیوب ویل

او کے ڈیزل انجن ۱۲ تا ۶۰ ہارس پاور

او کے سنٹری فیوگل پمپ ۱" تا ۱۲"

براس سٹینوز رسی پائپ ہر قسم

تیار کردہ:

پریمیر انجینئرنگ کمپنی رجسٹرڈ

دفتر: ۱۲۸- ریلوے روڈ چوک دالگراں لاہور　فون ۶۸۱۸۱/۱

فیکٹری ۳۵-۱۴۱ راوی روڈ ـــــ لاہور فون ۶۸۸۱۹

© rasailojaraid.com